سوال

(48) قربانی سے متعلق مزید سوالات

جواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

1۔ قربانی سب گھر والوں کی طرف سے ہوجاتی ہے۔ یا صرف کرنے والے کی طرف سے ہوتی ہے۔؟

2۔ قربانی فرض ہے یا سنت؟

3۔ کیا قربانی اپنے ہی ہاتھ سے ہو سکتی ہے۔ دوسرے کے زریعے نہیں؟

4۔ بقر عید کو عید الاضحیٰ کیوں کہتے ہیں۔؟ اور اس کا صحیح تلفظ کیا ہے۔؟

5۔ حاجی عام طور پر زمزم۔ مٹی۔ کھجوریں۔ اور غلاف کعبہ کے ٹکڑے بطور تبرک لاتے ہیں۔ شرعا کیا حکم ہے۔؟

6۔کہتے ہیں حضرت اسمٰعیلؑ کی جگہ دنبہ یا بینڈھا رکھدیا گیا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے۔؟

7۔ اہل حدیث اور اہل ہویٰ لوگوں کی قربانی کا کیا حکم ہے۔؟

جوابات مدلل ہوں۔ (محمد سعید۔ ریاستی۔ کراچی شہر)

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

سب گھر والوں کی طرف سے ہوجاتی ہے۔ وہ بکرا چھترا ہو یا اونٹ اور گائے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ ہمارا یہی دستور اور تعامل ہے۔ کہ ایک شخص اپنے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے بکری بکرے کی قربانی دیا کرتا تھا۔ بعد میں فخر و مباہات کا سلسلہ جاری ہوگیا تھا۔ تو ایک ایک کی طرف سے دینے لگ گئے۔

كنا نضحي بالشاة الواحدة يذبحها الرجل عنهو عن اهل بيته ثم فباهى الناس بعد ذلك فصارت مباهاة (موطا محمد ص216 وغیرہ عن عطاء)

یہ محمد رسول اللہ ﷺ کے مبارک عہد کی بات ہے۔ دوسری روایات میں اس کی تصریح آگئی ہے۔

عن عطاء بن یسار قال سالت اا ایوب النصاري کیف کانت الضحایا فیکم علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم قال کانالرجل فی عهد النبی صلی الله علیه وسلم یضحی با لشاة عنه و عن اہل بیت الحدیث اخرجه ابن ماجه ص224 والترمذي وصححه

حضرت عبدالله ابن ہشام فرماتے ہیں۔کہ رسول اللهﷺ ایک ہی بکری اپنے سب گھر والوں کی طرف سے قربانی دیا کرتے تھے۔

کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یضحی بالشاة الواحدة عن جمیع اہله رواه الحاکم وقال صحیح الاسناد

احناف کے نزدیک ایک بکرا چھترا سب گھر والوں کیلئے کافی نہیں ہوتا۔ (ہدایہ ص424 جلد4)

امام ابن رشد فرماتے ہیں۔کہ یہ بطور کراہت کہتے ہیں۔یہ مطلب نہیں کہ قربانی سب کی طرف سے ہوتی ہی نہیں۔

خالفه فی ذلک ابو حنیفة والثوري علی وجه الکراہة لا علی وجه عدم الاجزاء ہدایة المجتهد (جلد2 ص434)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگرچہ کراہت کے ساتھ لیکن کہ ایک گھر کی قربانی سب کی طرف سے حنفیہ کے نزدیک بھی ہو جائے گی۔دلیل میں وہ قیاس پیش فرماتے ہیں۔

والقیاس ان لا تجوز الا من واحد لان الاربعة لان الواقعة واحدة وہی القویة (ہدایہ ص222 جلد4)

لیکن یہ صریح حدیث کے خلاف ہے۔لہذا اما دان کا قیاس مموع کوئی حیثیت نہیں رکھتا تاہم اس ک علاوہ انہوں نے حسب عادۃ احادیث کی تاویلیں کر ڈالی ہیں جو سرف تاویلیں ہیں دلائل نہیں ہیں۔

امام ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ۔رسول اللهﷺ کا یہی اسوہ حسنہ ایک بکری ایک شخص اور اس کے اہل بیت کےلئے کافی سمجھی جاتی تھی۔

وکان ہدیة رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الشاة تجزي عن الرجل و عن اہل بینه ولو کثر عددہم (زادلمعاد فصل ہدیہ ان یضحی بالمصلی ج2 ص341)

امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ (حدیث)

تقبل من محمد وال محمد ومن امة محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم

اس امر کی دلیل ہے کہ ایک بکری آدمی اور اس کے گھر والوں کیلیے کافی ہوجاتی ہے۔خواہ وہ کثیری ہوں۔

دلیل علی ان الشاة الواحدة تجزي عن الرجل واہله وان کثروا (وارتحفة الاخوری ص358 ج2)

امام شوکانی فرماتے ہیں۔حق یہ ہے کہ گھر کے افراد سو سے بھی زیادہ ہوں تو بھی ایک بکری ان سب کیلیے کافی ہے۔

والحق انها تجزي عن اہل البیت وان کانوا مائة نفس او اکثر (نیل ص120 ج5)

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا مسلک بھی یہی ہے۔

والاضحیة مسنة من معز عن جزع من ضان فی کل اہل بیت

(حجۃ اللہ البالغہ ص 24 ج 2 باب العیدین)

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے برادران احناف اپنے نظریہ کی وجہ سے گھاٹے میں جا رہے ہیں کہ گھر سارا اسی شرف اور فضیلت سے قاصر اور محروم رہے۔؟ مقام حیرت ہے یہاں تک کہ صدقہ فطر میں توگنجائش رکھی گئی تھی۔کہ چھوٹے بچے کی طرف سے بھی ''فطرانہ'' اداف کیا جائے گا۔

ویخرج عن اولاوہ الصغار (ہدایہ باب صدقہ الفطر ص 208 ج 1)

لیکن قربانی کے سلسلے میں فتویٰ یہ ہے کہ چھوٹے بچے کی طرف سے بھی قربانی دینا ضروری نہیں ہے۔

انہ لایجب عن ولدہ وہو ظاہر الروایۃ (ہدایہ ص 443 جلد 4)

علیہ الفتوی کزافی فتاوی قاضی خان (بین السطور ہدایہ ملخصا جلد 4 ص 344)

حضرت ابو سریحہ فرماتے ہیں۔سنت کے معلوم ہوجانے کے بعد مجھے میرے خاندان نے مجھے کم عقلی پر آمادہ کیا۔حالانکہ ایک گھر والے ایک اور دو بکریاں قربانی دیا کرتے تھے۔اب ہمارے پڑوسی ہمیں کنجوس بناتے ہیں۔

حملنی اہلہ علی الجفاء بعد ما علمت من السنۃ کان اہل البیت یضحون بالشاۃ والشاتین والان یبخلنا ہیرا ننا

(ابن ماجہ ص 234 باب من ضحی بشاۃ عن اہلہ)

غرض اسی قسم کے اعتراض پہلے بھی کیا کرتے تھے۔پر اصحاب الحدیث نے اس طعن و تشنیع کی کبھی پرواہ ن ہیں کی اور نہ کبھی کریں گے ،ان شاء اللہ تعالیٰ حجۃ الوادع میں حضورﷺ نے ازواج مطہرات کی طرف سے بھی گائے قربانی دی تھی۔امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔کہ یہ حضورﷺ کا آخری عمل ہے۔

ہذا فی الحجۃ الوداع وہو اٰخر عملہ علیہ السلام (محلی ج 2 ص 438)

جواب نمبر 2

جمہور کے نزدیک یہ سنت ہے۔واجب نہیں۔حضرت ابو بکر صدیق ۔حضرت عمر۔حضرت بلال۔حضرت ابو مسعود بدری۔ رضوان اللہ عنہم اجمعین حضرت سعید بن المسیب۔علقمہ۔اسود۔امام ابو حنیفہ کے شیخ عطاء امام مالک۔امام احمد۔امام ابو یوسف۔امام اسحٰق بن راہویہ۔حضرت ابو ثور۔امام مزنی۔امام ابن المنزر۔امام داؤد۔وظاہری وغیرہ رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

(نووی شرح صحیح مسلم۔کتاب الاضاحی و باب وقتیھا جلد 2 ص 153)

امام ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں۔کہ صحیح سند سے ثابت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق۔حضرت عمر رضوان اللہ عنہم اجمعین کبھی کبھی قربانی نہیں کیا کرتے تھے۔کہ کہیں لوگ اسے فرض نہ تصور کرلیں۔

بل صح عنھا انہما کان لایضحیان مطلقا احیانا خشیۃ ان یظن وجوبہا (درایہ ص 325 ۔تحفۃ الخودی۔۔۔بحوالہ بیہقی)

امام ترمذی فرماتے ہیں۔امامان دین کا اسی پر عمل ہے۔کہ یہ سنت ہے واجب نہیں ہے۔اور یہی قول ہے امام ثوری اور امام ابن المبارک کا

والعمل علی ہذا عند اہل العلمان الاضحیۃ یلست بواجبہ ولکنہا سنۃ من سنن النبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یستحب ان یعمل بہا وہو قول سفیان الثوري وابن المبارک (ترمذی ص 182 ج 1)

حضرت امام ابو حنیفہؒ حضرت امام اوزاعیؒ امام ربیعہ ابو للیث اور بعض مالکی فرماتے ہیں۔ واجب ہے پر دولت مند پر امام محمدؒ کہتے ہیں۔ جو شہروں میں مقیم ہیں۔ ان پر واجب ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دولت مند کی نشانی اس کا مالک نصاب ہونا ہے۔ (نووی شرح مسلم ص 153 ج 2)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ!

کیا قربانی واجب ہے۔ ؟ تو جواب دیا کہ !حضور ﷺ اور مسلمانوں نے قربانی دی۔ پھر اس نے یہی سوال کیا اور آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ کیا عقل ٹھکانے ہے۔ ؟ حضور ﷺ اور مسلمانوں نے قربانی دی تھی۔ (ترمذی ص 350 مع تحفۃ الاحوزی)

مقام عظیمت اور عبدیت کا تقاضا یہ ہے۔ کہ اس بحث میں پڑے بغیر قربانی دی جایا کرے۔ کیونکہ مقصد یہ ہے کہ خدا خوش ہو جائے۔ اور وہ "تولے" بغیر سجتا ہے۔

ہاں علمی حد تک اگر آپ اس کی وضاحت ضروری چاہتے ہیں۔ تو ہماری ذاتی رائے یہ ہے کہ نظریہ وجوب احوط ہے۔ عدم وجوب کے دلائل بیان کر کے حضرت امام شوکانیؒ بیان فرماتے ہیں۔ مفید مطلب نہیں ہے۔ آخر میں فرماتے ہیں۔ ہاں ام سلمہ والی روایت اس کے لئے مفید ہو سکتی ہے۔ کیونکہ تفویض اور تعلیق عدم وجوب پر دال ہوتی ہے۔ (نیل الاوطار ص 95 ج 5)

ہمارے نزدیک ہر تعلیق اور تفویض خیار پر مبنی نہیں ہوتی بلکہ اپنے پس منظر کے تابع ہوتی ہے۔ جیسے

میں ہے۔ اگر زمہ واجب ہے تو تعلیق "عند التعمیل" سے متعلق ہوگی۔ جیسا کہ یہاں بہر حال جو قربانی دے سکتا ہے وہ ضرور دے۔ جو غیر مستطیع ہے نہیں دے سکتا نہ دے۔ حضور ﷺ سے اس کا ترک ثابت نہیں ہے۔ اگر یہ سنت ابرہیمی ہے۔ تو وہ واجب تھی کیونکہ آپ مامور تھے۔

اے میرے ابا آپ کو جو حکم ہوتا ہے کر ڈالیے۔ (پارہ 23 الصفت ع 3)

ہمیں حکم ہوتا ہے۔ کہ حضرت ابراہیمؑ کے طریقے کی پیروی کرو۔ کیونکہ خدا نے اس سنت کو آنے والوں کیلئے بھی باقی رکھا ہے۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ (پارہ نمبر 3 العمران ع 10)

"تو اس ابراہیمؑ کے طریقے کی پیروی کرو۔ جو سب طرف سے منہ موڑ کر صرف خدا کا ہو رہا تھا۔"

جو طریقہ رب کی طرف سے شروع ہوا اس کو "ملت" کہا جاتا ہے۔ قربانی حضرت ابراہیمؑ کے لئے مشروع تھی۔ آپ اس کے مامور تھے۔ لہذا وہی طریقہ ہمارے لئے بھی مشروع ہے اور ہم بقدر طاقت اس کی تعمیل کے پابند ہیں۔ ہاں جو نہیں دے سکتے۔ اور غیر مستطیع ہیں۔ وہ مستثنیٰ ہیں۔ لیکن مستطیع اور دے سکنے والے کی نشانی صاحب نصاب ہونا نہیں۔ بلکہ دل اور ہمت کی بات ہے۔ حنفیہ کی اصطلاح کے مطابق آپ ﷺ تو کبھی مستطیع (صاحب توفیق۔ صاحب نصاب) نہیں ہوتے تھے۔ لیکن بات دل کی تھی۔ حبیب ﷺ کے حضور نذرانہ پیش کرنا ہو پھر "نصاب" کے پیمانوں کا ہوش بھی رہے۔ یاری نہیں گزارہ ہے۔

جواب نمبر 3

کوئی خاص مجبوری ہو مثلاً زبح کرنا نہیں آتا آیا حوصلہ نہیں پڑتا اور اناڑی پن کی وجہ سے بکرے چھترے کو تکلیف زیادہ ہونے کا اندیشہ ہو۔ تو پھر دوسرے سے بھی زبح کرا یا جا سکتا ہے۔ جہاں تک ممکن ہو اپنے ہاتھ کے ساتھ ذبح کیا جائے۔ حضور ﷺ نے زیادہ اپنے ہاتھ سے قربانی دی ہے۔ ہاں ازواج مطہرات کی طرف سے بھی ذبح کیا گیا ہے۔ (رواہ مسلم زبحا

بیدہ (بخاری)

حضرت خلیل اللہ نے بھی اپنے ہاتھ سے دی تھی۔

قرآن۔ (سورۃ الصّٰفّٰت)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی صاحب زادیوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا۔ (بخاری باب من زبح اضحیہ غیرہ)

معلوم ہوا کہ عورتیں بھی زبح کر سکتی ہیں۔ بلکہ ہو سکے تو اس ''سنت'' کا احیاء ضرور کیا جائے۔ ہاں سلیقہ یا ہمت نہ ہو تو پھر خیر ہے۔

دوسرے کو بھی ساتھ لگا سکتا ہے۔

حبیب ﷺ کے حضور ہدیہ پیش کرنا ہو۔ اور پھر اپنے ہاتھ سے اور خود حاضر ہو کر پیش نہ کیا جائے بڑی بے زوقی کی بات ہے۔ ہاں واقعی مجبوری امر دیگر ہے۔

جواب۔ نمبر4

(نووی ج2 ص153) ضحیہ۔ اضحاۃ۔ ضحیہ۔ (التنقیح حاشیہ قدوری ص228)

اضحیٰ اضحاۃ کی جمع ہوئی تو ''عید الاضحیٰ'' کے معنی ہوئے۔

''قربانیوں کی عید'' (کہ اس میں جانوروں کی قربانیاں اللہ کے حضور پیش کی جاتی ہیں۔) تو پھر قربانی کا یہ عمل چاشت (ضحیٰ) کے وقت شروع ہوتا ہے۔ (یعنی ایک پہر دن چڑھے۔) شاید یہی وجہ تسمیہ ہے۔

جواب۔ نمبر5

ماء زمزم۔ (زمزم کا پانی) متبرک ہے۔ (طیالسی ابواب فضائل الاکمنۃ، والازمنۃ ص203 ج2)

یہ جبریلؑ امین کا کھودا ہوا کنواں ہے۔ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے پلانے کو مہیا کیا گیا تھا۔ (دار قطنی)

غذا بھی ہے اور شفا بھی۔ اسے بطور تبرک لے جانا صحیح ہے۔ (ترمذی)

امام شوکانیؒ لکھتے ہیں۔ یہ روایت باہر لے جانے کی دلیل ہے۔ (نیل الاوطار ص75 ج5)

کھجوریں۔ عجوہ مدینہ منورہ کی خاص کھجوریں ہیں۔ حضور ﷺ نے ان کو شفاء اور تریاق فرمایا ہے۔ (ص181 ج2)

لیکن ایک طبعی خاصیت ہے۔ اس حد تک جو ان سے اضافہ کرنا چاہتا ہے۔ ٹھیک ہے۔ باقی رہا تبرک؟ حدیث سے ثابت نہیں۔ جزبات اور خوش فہمی الگ بات ہے۔

مٹی۔ کسی بیمار کے پھوڑا زخم ہوتا تو لعاب مبارک سے انگلی تر کر کے مٹی لگاتے۔ پھر مقام ماؤف پر انگلی رکھ کر یوں دعا کرتے تھے۔ (مسلم باب استحاب۔ ص222 ج2 بخاری باب رقیۃ النبی ﷺ)

اللہ کے نام سے ہماری زمین کی خاک جو ہماری تھوک ہے۔ ہمارے بیمار کو شفاء ہوگی۔ ہماے رب کے حکم سے۔

آئمہ نے لکھا ہے۔ ارض (زمین) سے مرادروئے زمین ہے فرمایا۔ سرزمین دبنہ کی خاک بھی ہوسکتی ہے۔ (نووی ملخصا)

برکت ہی سہی۔ بہر حال ایک خاص مقصد کی حد تک جو بہر حال مٹی لانے والوں کے سامنے نہیں ہوتا۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں۔ زمزم کے پانی کے سوا مٹی اور کنکر غیر لے آنا وہ مناسب نہیں ہے۔ امام ابوالفضل بن عبدان فرماتے ہیں۔ غلاف کعبہ کے ٹکڑے لے جانا بھی جائز نہیں۔ اس کا بیچنا اور خریدنا بھی جائز نہیں۔ فرماتے ہیں۔ غلاف کعبہ کی جو بھی چیز لے جائے گا۔ اس کو واپس کرنا ہوگا۔ امام نوویؒ نے اس کی تایئد کرتے ہوئے اس پر یہ اضافہ بھی کیا ہے۔ کہ اسی طرح غیر حرم کی مٹی اور پتھر حرم میں لے جانا بھی جائز نہیں ہے۔ امام ابن الصلاح فرماتے ہیں۔ یہ بات خلیفہ وقت کی صوابدید پر ٹھری ہے تاہم اگر کہنہ ہو کر ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو تو پھر غلاف کعبہ کو کردینے میں کوئی حرج نہیں۔

اصل عبارت یہ ہے۔ (روضۃ الطالبین ص 168 ج 3)

اس سے معلوم ہوا کہ تقسیم کیا بھی جائے تو بطور تبرک نہیں بلکہ اس لئے کہ ضائع نہ ہو کام آجائے۔

چنانچہ حضرت ابن عباس۔ حضرت عائشہ۔ اورام سلمہ رضوان اللہ علیھم اجمعین فرماتے ہیں۔ کہ یہ کپڑا (غلاف کعبہ) جس کو مل جائے وہ جنبی ہو یا حائضہ یا کوئی اور سبھی استعمال کر سکتے ہیں۔

قالوا ویلبہا من صارت الیہ من جنب و حائض و غیرہا (ایضا)

نیز فرمایا! کعبہ کی خوشبو بھی نہیں لانی چاہیے۔ ہاں اپنی خوشبو لے جا کر اس سے ملا کر استعمال کر سکتا ہے۔ (روضۃ الطالبین ھذوی ص 168 ج 3)

گو ان چیزوں کو عظیم شعائر اللہ سے ایک نسبت ہے۔ لیکن اس لئے نہیں کہ ان کا استحصال کیا جائے۔ جذبات کی بات اور ہے۔ لیکن مسئلہ کی الگ ہے۔ مسئلہ یہی ہے۔ کہ ان کو بطور تبرک گھر میں لا کر اپنے بت خانوں (فضائے حرم کے مخالف فضائوں) میں لا کر بسانا۔ احترام نہیں۔ بے ادبی ہے۔ یا سستی بخشش اور ارزاں خراج عقیدت پیش کرنے کا ایک عامیانہ اسلوب بہت سے لوگ تو ان کو ''دنیا'' بنانے کی تمنا لے کر لاتے ہیں۔ گویا کہ وہ شعلہ دین کو دنیا کیلیئے استعمال کرتے ہیں۔ خیال فرمایئے کہ یہ حضرات دین و ایمان کا کس قدر اس طرف کرتے ہیں۔ ؟ حرم کی مٹی کو لا کر حرم کو گھر بنانا یوں ہے۔ جیسے ابرہہ نے صنعاء میں ایک جعلی ''حرم کعبہ'' بنا ڈالا تھا۔ جو بہر حال برا ہے پرہیز اچھا ہے۔ واللہ اعلم

انسان کو بعض مقامات سے بہت گہرا قلبی تعلق ہوتا ہے۔ لیکن بعض لوگ غلو عقیدت میں ان مقامات سے جو کچھ ان میں دیا بطور ''عقیدت'' لے آتے ہیں۔ تاہم ہوسکتا ہے۔ کہ اس قسم کے بعض حضرات کی دنیا ہی کچھ اور ہوتی ہو جو مسئلہ کی بات نہ ہو بلکہ وہ اپنے قلبی سکون کیلیئے چارہ سازی کرتے ہوں۔ چنانچہ جب وہ وہاں پہنچ جاتے ہوں۔ تو حرم میں یقیناً عرصہ رہتے ہیں۔ پیشاب پاخانہ کرنے سے بھی پرہیز کرتے ہیں۔ جو انتہائی دشوار بات ہے۔ حضرت زجاج کے متعلق کہا جاتا ہے۔ کہ وہ حرم میں پاخانہ نہیں کیا کرتے تھے۔

مگر ان تبرکات کی بھر مار کرنے والوں کے ''عشق'' کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہاں جا کر سب کچھ کرتے ہیں۔ اور حج ادا کرنے کے بعد وہاں سے بھاگنے کی بھی کرتے ہیں۔ ان حالات میں کوئی کیسے کرے کہ یہ ٹھوس عقیدت بلا جذبات پر مبنی بات ہے۔

جواب۔ نمبر 6

ابن ابی حاتم وغیرہ نے مسند احمد وغیرہ سے کچھ اس قسم کی روایات نقل کیں۔ ان کی روایاتی حیثیت کچھ زیادہ تسلی بخش نہیں ہے۔ حضرت امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں۔ کہ یہ بات حضرت ذبیح کی جگہ ینڈھا قربان ہوا تھا باطل ہے۔

واما الاحتجاج بانه فدي الذبيح بلبش فباطل وما صح ذلک قط

(المحلی ص430ج7)

بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کے ہاں معروف معنیٰ میں ''اضحیہ'' جیسی قربانی والی بات ہی نہیں تھی۔ تو اس سے اس کے تلا بے ملانے کی ضرورت ہی کوئی نہیں۔ (محلی ص437ج7)

کبش ابراہیمی (منڈھے) والے واقعہ کو وہ ''کاذب''کہتے ہیں۔

لا بالظن الکاذب فی کبش الذبیح (ایضا)

ترمذی کی ایک روایت میں ان ''ضحایا'' (قربانیوں) کوسنت ابراہیمی کہا گیا ہے۔

یارسول اللہ ماہذہ الاضاحی ؟ قال سنۃ ابیکم ابراہیم (ترمذی عن زید)

لہذا یہ کہنا کہ حضرت ابراہیمؑ کے ہاں ان کا کوئی مذکور نہیں تھا۔ تو کیسے ٹھیک ہو سکتا ہے۔ ؟ یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو ابن حزم کی اسناد کی کوئی اہمیت نہ رہتی لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ یہ روایت بالکل بیکار ہے۔ اس کے دو راوی بس سبحان اللہ میں۔ 1۔ ابو معاز حائز المجاشعی۔ امام ابو حاتم اس کو منکرالحدیث کہتے ہیں۔ اور امام بخاریؒ فرماتے ہیں۔ اس کی حدیث صحیح نہیں امام زہبی فرماتے ہیں۔ کہ اس سے روایت صرف سلام بن مسکینی نے کی ہے۔ (میزان) سلام قدری تھے۔ (میزان)

دوسرے راوی ابو دائود و تفیحبن الحارث الاعمی صمدانی ہیں۔ امام یحیٰ بن معین فرماتے ہیں۔ یہ شخص حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔ (خلاصہ تہذیب الکمال) امام عقیلی فرماتے ہیں غالی رافضی تھا۔ امام نسائی اورامام دارقطنی کے نزدیک متروک ہے۔ امام ابو زرعہ کا ارشاد ہے۔ کہ یہ شخص کسی کام کا نہیں۔ امام ابن حبان فرماتے ہیں۔ اس سے روایت کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ شخص واعظ بھی تھا۔ اور بھکاری بھی تھا۔ حضرتگ قتادہ نے اسے جھوٹا کہا ہے۔ (میزان ص272ج4)

یہ حدیث ضعیف المخرج اوراس کی اسناد بعد ہی ہے۔

فالحدیث ضعیف المخرج اسنادورواہ کماقال المنذري (الرواۃ ص280ج1)

اس لئے ینڈھے کی قربانی والی بات صرف کہانی ہے۔ اور وہ بھی اسرائیلی دراصل یہ ساری خرابی فذبنہ بذبح عظیممیں ذبیحۃ کی تعین کرنے کی زمہ داری لینے کی وجہ سے پیدا ہو رہی ہے۔ حالانکہ یہ کچھ ضروری نہیں ہے۔ کتاب و سنت جب یہ پردہ نہیں اُٹھاتے تو پھر دوسری سب ٹامک ٹوینااں والی بات ہے۔ جس طرح حضرت سارہ کو بہن کہنے کے اسباب متعین کرنے کی زمہ داری لینے کی وجہ سے بخاری کی روایت کا حال ہوا ہے۔ وہی یہاں ہو رہا ہے۔ بہر حال وہ ''ذبح عظیم ''صرف ینڈھا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ ایک عام شے ہے۔ معلوم ہوتا ہے وہ کچھ اور حقیقت ہے۔ جو ذبیح کا عظیم بدل قرار پائی ہے۔ اور وہ کیا ہے۔ ؟ کچھ پتہ نہیں۔ کیونکہ قرآن و حدیث اس بارے میں بالکل خاموش ہیں۔ اس لئے آپ بھی خاموش رہیں۔ اسرائیلی روایات کی تصدیق اورتکذیب دونوں ممنوع ہیں۔ (مشکواۃ)

جس زمہ داری کے بوجھ سے آپ کو آزاد رکھا گیا ہے آپ اس کو لینے کی کوشش نہ کریں۔ کیونکہ زمہ داری بہت بڑی آزمائش ہے۔

جواب۔ نمبر 7

ان کی قربانیوں کا مستقبل نہیں رہا۔ کیونکہ

اِنَ صَلَاتِي وَنُسُکِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّالعَالَمِينَ لَاشَرِيکَ لَہٗ (پارہ نمبر 7 الانعام ع20)

ترجمہ۔ بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا منا سب اللہ کے لیئے ہے۔ جو رب ہے سارے جہان کا اس کا کوئی شریک نہیں۔''

قربانی کی بنیادی اساس ہے۔ جس سے زندگی مالا مال ہونی چاہیے۔ خاص یہ کہ ذبح کے وقت مندرجہ زیل اعلان اور دعا کا بھی یہی تقاضا ہے۔ کہ قربانی دینے والا اس وقت بالکل یکسو ہو۔ صرف خدا کی طرف اس کا رخ ہو۔ جہاں شرک وبدعت کا کوئی شائبہ نہ ہو دعا یہ ہے۔

اني وجهت وجهي للذي فطر السموات والارض حنيفا وما انا من المشركين (ابن ماجہ وغیرہ)

سلف اہل تفسیر تقریباً ''ذبح عظیم'' کی اس تفسیر پر نظر آتے ہیں۔ کہ وہ مینڈھا تھا جس روایت جامع ترمذی کی فاضل مفتی نے تصنیف فرمائی ہے۔ وہ اس قسم کی دوسری روایات کے مفاہیم کی تایئد سے اس ''اجماع کی ''سنہ'' کی حیثیت اختیار کر سکتی ہے۔ رہے ہمارے امام حافظ ابن حزمؒ تو انھوں نے جس بناء پر محمولہ مرفوع روایت کو ''باطل'' ٹھرایا ہے۔ وہ اپنی جگہ شاید درست ہو۔ وہ ان لوگوں کا رد فرما رہے ہیں۔ جو مینڈھے کو اونٹ اور گائے کی قربانی سے اس طرح کی روایات سے استدلال کرتے ہوئے افضل قرار دیتے ہیں۔ حافظ ابن حزم کا وقف یہ ہے کہ اونٹ اور گائے کی قربانی افضل ہے۔

لہذا نفس اتنی بات بہر حال صحیح ہے۔ کہ ''ذبح عظیم'' سے مراد مینڈھا ہے۔ اور حضرت ابراہیم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ''فدیہ اسماعیل'' کے طور پر مینڈھا ہی عطا فرمایا گیا تھا۔ باقی تفصیلات کے بارے میں جو چاہیں رائے رکھیئے۔ (ع۔ح)

میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف کر لیا جس نے آسمانوں کو پیدا کیا اور صرف اس کا ہو کر اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ فقہاء فرماتے ہیں۔ کہ سات حصہ داروں میں سے اگرچھ نصرانی ہوں یا صرف ایک شخص گوشت کی نیت رکھتا ہو تو کسی کی بھی قربانی جائز نہیں ہوگی۔

وان كان شريك الستة نصرانيا ورجلا يريد اللحم لم يجز عن واحد منهم

(ہدایہ ص249 ج4 کتاب الضحایا)

نصرانیت شریک کی واضح مثال ہے۔ اور ''گوشت خور'' اور جو لوگ سراپا بدعتی یا مشرک اور نرے دنیا دار ہوں۔ ان کی قربانی کے سلسلے میں کیسے اطمینان ہو سکتا ہے۔

خود حضور ﷺ نے بھی اپنی امت کی طرف سے جو قربانی دی تھی۔ اس میں بھی یہ شرط رکھی۔

من شہد لک بالتوحید (مسند احمد)

کہ جو موحد ہو۔ معلوم ہوا جو موحد اور بندہ حیف نہیں بلکہ ہر جائی ہے اس کی طرف سے قربانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کی طرف سے قربانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں دل بہلانا یا خوش فہمی کی اور بات ہے۔ بہر حال انھیں سب سے پہلے بدعات اور شرکیہ رسومات سے توبہ کرنا چاہیے۔ ورنہ قربانی کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ واللہ اعلم۔ (اخبار الاعتصام سن 1974ء)

ھٰذا ما عندي واللہ أعلم بالصواب

[فتاویٰ علمائے حدیث](#)

جلد 13 ص 112-125

محدث فتویٰ